© rasailojaraid.com



درس ۱۷

# جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے موضوع پر
# قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ
# سُورۃ الصَّف
(۴)
# نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کا لازمی تقاضا
# جہاد فی سبیل اللہ

اَحْمَدُہٗ وَاُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ——— اَمَّا بَعْدُ :

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ——— بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

سورۃ الصف کے عمود کی تعیین اور اس کی مرکزی آیت کے اکثر حصّے پر غور و فکر کر لینے کے بعد اب آیئے کہ ہم اس سورۂ مبارکہ پر بحیثیت مجموعی غور کریں۔ لیکن اس سے قبل اس سورۃ کی مرکزی آیت یعنی آیت نمبر۹ کے آخری ٹکڑے کے حوالے سے ایک اور عظیم حقیقت کی طرف توجہ کرنا مفید ہو گا۔

## آیت کے آخری ٹکڑے کا مفہوم

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے سورۃ الصف کی وہ مرکزی آیت قرآن مجید میں تین مقامات پر آئی ہے۔ ایک مقام پر اس کا اختتام ﴿ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ﴾ کے الفاظ پر ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


ہے۔ اس میں تو گویا اشارہ ہے اسی بات کی طرف جو اس سے پہلے سورۃ الحج کے آخری رکوع کے درس کے ضمن میں عرض کی جا چکی ہے کہ رسول اگر اپنا فرضِ منصبی ادا کر دیں تو گواہی کے لئے اللہ کافی ہے۔ اس حوالے سے سیرتِ طیبہ کا وہ اہم واقعہ ذہن میں تازہ ہو گیا ہو گا کہ حجتہ الوداع کے موقع پر آنحضور ﷺ نے تمام حاضرین سے یہ گواہی لینے کے بعد کہ میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا' آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے بھی عرض کیا : اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ ' اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! کہ اے اللہ تو بھی گواہ رہ! میرے پاس تیری دو امانتیں پہنچی تھیں' ایک تیری کتاب' جسے میں نے امت تک بلا کم و کاست پہنچا دیا' حق تبلیغ ادا کر دیا' دوسرے دین حق' جسے تیری تائید اور اپنے صحابہ کے تعاون سے میں نے تئیس سالہ محنت شاقہ کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب پر بالفعل قائم کر دیا۔ اب یہاں تیرا ہی بول بالا ہے' تیرا ہی حکم نافذ ہے اور تیرا ہی جھنڈا سب سے بلند ہے۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا۔ اس کی شہادت اور گواہی کے لئے اللہ کافی ہے۔

بقیہ دو مقامات پر یعنی سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف میں یہ آیت ﴿ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ﴾ کے الفاظ پر ختم ہوتی ہے —— "چاہے یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو" —— اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ تصادم ناگزیر ہے۔ مشرک کبھی گوارا نہ کریں گے کہ اللہ کا دین یہاں قائم ہو' وہ نظامِ عدل و قسط عملاً برپا ہو جائے جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ کفر اور شرک کی قوتیں دین حق کے لئے آسانی سے راستہ نہیں چھوڑیں گی۔ وہ لازماً reteliate کریں گی۔ تصادم ہو کر رہے گا' کشمکش ہو گی' لیکن اس سب کے علی الرغم' اس سب کے باوجود' رسولؑ کا فرضِ منصبی ہے کہ اس دین کو قائم کرے' اسے غالب و نافذ کرے جو اللہ نے اسے دے کر بھیجا ہے۔

## مذہبی اور سیاسی شرک کا گٹھ جوڑ

یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے اور اس کا تعلق ہمارے اس منتخب نصاب میں شرک کی بحث سے جڑ جاتا ہے۔ شرک کے بارے میں یہ خیال بڑا عامیانہ اور سطحی سا ہے کہ اس کا تعلق محض مخصوص مذہبی امور کے ساتھ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تاریخِ نسلِ انسانی کے دَوران ہر دَور میں اور ہر خطۂ زمین میں شرک کے دو نظام ہمیشہ قائم رہے ہیں، ایک مذہبی شرک اور دوسرا سیاسی شرک۔ انہی دو راستوں سے درحقیقت نوعِ انسانی کا استحصال ہوتا چلا آیا ہے۔ مذہبی شرک کی شکل تو یہ ہے کہ کوئی پنڈت، کوئی پروہت، کوئی پادری، کوئی پجاری یا کوئی پیر کسی آستانے کا مجاور بن کر یا کسی بُت کدے کا پروہت یا پجاری بن کر لوگوں کی گردنوں پر سوار ہوتا ہے اور مذہب کے نام پر عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی میں سے نذرانے اور چڑھاوے وصول کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ معاشی استحصال (Economic Exploitation) کی انتہائی مکروہ صورت ہے۔ بقولِ شاعر ؏ مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج!

دوسری جانب بادشاہت کے نظام کی صورت میں سیاسی شرک کا نظام تاریخِ انسانی کے ہر دَور میں قائم رہا ہے۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق پر نظر دوڑائیں تو نظر آتا ہے کہ کہیں یورپ میں Divine Rights of Kings (بادشاہوں کے خدائی اختیارات) کا راگ الاپا جا رہا ہے اور کہیں ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کی حکمرانی کا سلسلہ رواں ہے۔ یہ بادشاہ اور ملوک اپنے اقتدار و اختیار کے بل پر عوام سے خراج اور نذرانے وصول کرتے تھے۔ اس طرح انسانی تاریخ میں یہ دونوں مشرکانہ نظام ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک دوسرے سے تعاون کرتے نظر آتے ہیں۔ اِدھر مذہبی طبقات کی طرف سے بادشاہِ وقت کو "His Holiness" کا خطاب مل رہا ہے تو اُدھر سے انہیں "Defenders of the Faith" کے خطاب سے نوازا جا رہا ہے۔ گویا ؏ من ترا حاجی بگویم تو مرا ملاّ بگو۔ یہ مذہبی شرک اور سیاسی شرک کے دو نظام جو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ایک دوسرے کے متوازی چلتے رہے اور جنہوں نے انسانوں کی گردنوں پر اپنی خدائی کا جوا ڈالے رکھا، ظاہر بات ہے وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ یہ سارا تانا بانا ٹوٹ کر رہ جائے اور یہ سارے مفادات آنِ واحد میں ختم ہو جائیں۔ علامہ اقبال نے اسی پس منظر میں کہا تھا ؎

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سِلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

اسلام ہے وہ نظام جو اِن درمیانی واسطوں کو ختم کرنے کے لئے آیا ہے' جو یہ پیغام لے کر آیا ہے کہ جہاں چاہو اور جب چاہو خدا سے ہم کلام ہو جاؤ:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○﴾

(البقرۃ: ۱۸۶)

"اور (اے نبیؐ) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (انہیں بتا دیں کہ) میں قریب ہی ہوں' میں ہر پکارنے والے کی پکار (کو سنتا اور اس) کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے' تو چاہئے کہ وہ بھی میرا کہا مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں' تاکہ رشد و کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں"۔

وہ انسان پر سے انسان کی خدائی کا نام و نشان مٹانا چاہتا ہے۔ ؏ تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے۔ یہاں کوئی کسی کا آقا نہیں اور کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا بندہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا)) "سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ"۔ تمہارے مابین قوم' نسل اور رنگت کے اعتبار سے کوئی اونچ نیچ نہیں ہے' کوئی تفریق نہیں ہے۔ یہ ہے وہ انقلابی پیغام جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ ان اصولوں پر مبنی نظام کا قیام ظاہر بات ہے کہ اُس مشرکانہ اور باطل نظام کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے جہاں اس نظام سے لوگوں کے مفادات وابستہ ہوں۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ کہ مشرکین کی طرف سے تو مخالفت ہو کر رہے گی۔ وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ یہ نظامِ عدل و قسط دنیا میں قائم اور برپا ہو جائے' انسانوں کی گردنوں پر سے دو طرفہ غلامی کے جوئے اٹھا دیئے جائیں اور ان کی گردنوں میں سے وہ طوق اتار دیئے جائیں جن کے بوجھ تلے نوعِ انسانی ہمیشہ دبی اور سسکتی رہی ہے۔ سورۃ الاعراف میں حضور ﷺ کی یہ شان ان الفاظ میں بیان ہوئی: ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کالازمی تقاضا‘ جہاد فی سبیل اللہ!

بہرحال اس آخری ٹکڑے یعنی ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ کے ضمن میں اس مختصر سی وضاحت کے بعد اب یہ بات جان لیجئے کہ سورۃ الصف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقصد بعثت کی تعیین کے بعد اس کے لازمی تقاضے کی حیثیت سے اب مضمون آ رہا ہے جہاد فی سبیل اللہ کا‘ کہ اے اہل ایمان! اب اس مشن کی تکمیل کے لئے کمرِ ہمت کس لو! دین اللہ کا ہے‘ اس کو غالب کرنا فرضِ منصبی ہے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ تو اب اللہ اور اس کے رسول کے ماننے والوں اور ان پر ایمان کے دعوے داروں کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ اس مقصد کے حصول اور اس مشن کی تکمیل کے لئے اپنے آپ کو لگا دیں اور کھپا دیں۔ اس مقصد کے لئے جِدّ و جُہد کریں‘ کوششیں کریں اور اس راہ میں اپنے مال لگائیں‘ اپنی جانیں کھپائیں‘ اپنی قوّتیں صرف کریں اور اپنے اوقات لگائیں کہ یہ ان کے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ کے دین کو برپا کرنا اور اسے قائم و نافذ کرنا کسی ایک فردِ بشر کا کام نہیں۔ یہ ایک نہایت عظیم کام اور بہت اونچا نصب العین ہے اور اس کے لئے ایک بڑی بھرپور اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس اجتماعی جدوجہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بننا‘ ان کا ساتھ دینا‘ ان کی نصرت کرنا اور جہاں اُن کا پسینہ گرا ہو وہاں اپنا خون بہا دینے کو اپنے لئے موجبِ فخر و سعادت جاننا ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا تھا۔ اس لئے کہ جب تک یہ کیفیت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے کے دعوے داروں میں پیدا نہ ہو اس مشن کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ سیرت النبیؐ اور سِیَرِ صحابہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ انقلاب اسی طور سے برپا ہوا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا تن من دھن سب کچھ اس راہ میں نچھاور کر دیا۔ غزوۂ خندق کا تصور کیجئے جبکہ بڑا ہی کٹھن وقت آن پڑا تھا۔ مدینے کی چھوٹی سی بستی کو بارہ ہزار کا لشکر چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا اور اُس وقت جبکہ خندق کھودی جا رہی تھی اور پھاوڑے چل رہے تھے‘ یہ رجز اور یہ ترانہ صحابہؓ کی زبانوں پر تھا : ”نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا“ کہ ہم ہیں وہ لوگ جنہوں نے بیعت کی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر۔ ”عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا“ یہ بیعت ہے جہاد کی کہ جب تک ہم زندہ ہیں اور جب تک جسم و جان کا تعلق برقرار ہے ہم اس جہاد‘ اس کوشش اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جدّو جُہد میں لگے رہیں گے۔

## ایک انتہائی نفع بخش تجارت!

چنانچہ سورۃ الصف کی اس مرکزی آیت کے بعد اگلی ہی آیت میں مسلمانوں سے یہ سوال کیا گیا : ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ ﴾ کہ اے اہلِ ایمان! کیا میں تمہاری رہنمائی کروں اس کاروبار کی طرف' اس تجارت کی طرف جو تمہیں نجات دے ایک دردناک عذاب سے؟ —— یہ انسانی ذہن کے بہت قریب آکر بات کرنے کا انداز ہے کہ تم دُنیوی کاروبار اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کو خوب جانتے ہو' لیکن ایک کاروبار وہ بھی ہے کہ جس سے حاصل ہونے والا نفع عذابِ الیم سے چھٹکارے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اس کاروبار کے نتیجے میں تم دردناک عذاب سے بچ جاؤ گے' جہنم کی آگ سے تمہیں رستگاری حاصل ہو جائے گی۔ یہ سوال کرنے کے بعد جواب بھی اللہ تعالیٰ نے خود دیا۔ تعلیم و تفہیم کا یہ بڑا ہی حکیمانہ انداز ہے کہ سوال کیا جائے اور پھر اس کا جواب دیا جائے۔

فرمایا : ﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ﴾ "تم ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اُسکے رسولؐ پر"۔ یہ مقام بھی ان مقامات میں سے ہے جہاں یہ بات وضاحت سے سامنے آتی ہے کہ قانونی ایمان کچھ اور شے ہے اور حقیقی ایمان کچھ اور! خطاب اُن سے ہو رہا ہے جو پہلے سے مسلمان ہیں۔ ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کے الفاظ پر غور کیجئے! کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جو ایمان کا دعویٰ اور اس کا اعلان کر رہے ہو! اور اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ کا مرحلہ طے کر چکے ہو! تم اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہیں فی الواقع عذابِ الیم سے چھٹکارا ملے تو اس کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر یقینِ محکم رکھو : ﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ﴾ اور ﴿ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ﴾ "جہاد کرو اللہ کی راہ میں! کھپاؤ اُس میں اپنی جانیں بھی اور اپنے مال بھی"۔ دیکھئے "فی سبیل اللہ" کا تعین پچھلی آیت میں کیا جا چکا ہے کہ اللہ کے دین کو غالب کرنے اور اس نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے جو محمد رسول اللہ ﷺ دے کر مبعوث کئے گئے ہیں' تمہیں اپنی جان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور اپنے مال کو لگانا اور کھپانا ہے۔ دین کو قائم و غالب کرنا اگرچہ اصلاً فرضِ منصبی ہے نبی اکرم ﷺ کا' لیکن اس کے غلبے کی جدّوجُہد میں تمہیں اپنی جانوں کا ہدیہ پیش کرنا ہے اور اپنے خون سے اس انقلاب کی آبیاری کرنی ہے۔ تمہیں اس کی بنیادوں میں اپنی ہڈیوں اور خون کا گارا بھرنا ہو گا! یہ کام اسی طور سے ہو گا اور اسی میں در حقیقت تمہارے ایمان کا امتحان ہے۔ یہ دلیل ہو گی اس بات کی کہ واقعتاً ایمان تمہارے دلوں میں اتر گیا ہے۔

اس آیت میں گویا اسی مضمون کا اعادہ ہو گیا جو ہم سورۃ الحجرات میں پڑھ آئے ہیں کہ : ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾ کہ اپنے دعویٰ ایمان میں صرف وہی لوگ سچے ہیں جو ان دو شرائط کو پورا کریں : (i) یقینِ قلبی کی یہ صورت کہ اللہ اور اس کے رسول ؐ پر ان کا ایمان یقین کی شکل اختیار کر کے دل کے اندر جاگزیں ہو چکا ہو' اور (ii) اس یقین کا عملی مظہر ہو گا جہاد فی سبیل اللہ' اللہ کے دین کے غلبے اور اس کے کلمے کی سربلندی کے لئے جان اور مال کا کھپانا۔ یہ ہے گویا کہ سورۃ الصف کا مرکزی مضمون جو آیت نمبر۹ اور نمبر۱۰ کے حوالے سے معین ہو گیا۔

اب ہمیں اس سورۂ مبارکہ کا ابتداء سے مطالعہ کرتے ہوئے اس کے تین حصوں اور ان میں شامل آیات کے باہمی ربط اور بالخصوص اس سورۃ کے مرکزی مضمون کے ساتھ ان کے ربط و تعلق کو سمجھنا ہے۔ مرکزی مضمون کی تعیین کے بعد بقیہ آیات کو سمجھنا ان شاء اللہ بہت آسان ہو گا۔

## قول و فعل کے تضاد پر اللہ کا غضب

اس سورۂ مبارکہ کا پہلا حصّہ چار آیات پر مشتمل ہے :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾

"آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے' اور وہ زبردست ہے کمال حکمت والا ہے"۔

یہ ایک بڑا ہی پُر شکوہ آغازِ کلام ہے۔ جانتے ہو کون تم سے مخاطب ہے؟ وہ جو خالقِ ارض و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سماء ہے' جس کی تسبیح و تحمید میں اس کائنات کا ذرہ ذرہ لگا ہوا ہے۔ وہ العزیز ہے' زبردست ہے' کمال حکمت والا ہے۔

اگلی آیت میں زجر اور ڈانٹ کا انداز ہے' مسلمانوں کو جھنجھوڑا جا رہا ہے :

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾

"اے اہلِ ایمان! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں!"

تمہارے قول اور فعل کا یہ تضاد اللہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ اگلے الفاظ بہت سخت ہیں :

﴿ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾

"اللہ کے نزدیک یہ بات انتہائی بیزار کن ہے کہ تم کہو وہ کچھ جو کرتے نہیں ہو"۔

"مقت" عربی زبان میں غیظ اور غصے سے بھی آگے کی کیفیت کے لئے آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی وقت آپ کی توقعات پر پورا نہ اُترے تو آپ کو غصہ آتا ہے' لیکن ایک مرحلہ وہ آتا ہے کہ توقع بالکل ختم ہو جاتی ہے اور ایک بیزاری کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ "مقت" کا لفظ درحقیقت اسی کیفیت کا غماز ہے۔[1] یہ گویا انتہائی ملامت کا انداز ہے کہ تمہاری یہ لن ترانیاں' تمہارے محبّت خداوندی اور عشق رسولؐ کے یہ دعوے تمہارے عمل سے مطابقت نہیں رکھتے۔ دعوے اتنے بلند آہنگ ہوں اور عمل اس معیار پر پورا نہ اتر رہا ہو' اللہ کے ساتھ وفاداریاں اور رسولؐ کی فرماں برداری نہ ہو رہی ہو' اللہ اور رسولؐ اور ان کے دین کے لئے حمیت اور غیرت موجود نہ ہو' دین حق کو پامال دیکھو اور اپنے دھندوں میں لگے رہو' اسے مغلوب پاؤ اور پھر بھی دنیا کمانے میں مصروف و مشغول رہو' یہ قول و فعل کا وہ تضاد ہے جو اللہ کے نزدیک انتہائی قابل مذمت اور بیزار کن ہے۔ ﴿ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾ ایمان لائے ہو تو اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہو گا' خدا کو مانا ہے تو اس کے دین کے لئے جان اور مال کھپانے

---

[1] عرب میں ایک مکروہ رواج یہ تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کر لیتے تھے۔ تاہم ایسے نکاح کو اس معاشرے میں انتہائی ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا اور اس کے لئے "نکاحِ مقت" کی اصطلاح مستعمل تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہوں گے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو آپ کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی جانیں اور اپنے مال صرف کرنے ہوں گے۔ یا چناں کن یا چنیں! یا اس دعوے سے دستبردار ہو جاؤ، یا دعویٰ کرتے ہو تو اس کو عملاً پورا کرو! اقبال نے غالباً اسی لئے کہا تھا ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

اور ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

## محبّت مجھے اُن جوانوں سے ہے. . .

چوتھی آیت میں یہ مضمون اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔ فرمایا :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ﴾

"اللہ کو تو محبت اُن سے ہے[1] جو جنگ کرتے ہیں اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر، ایسے گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں"۔

یہاں جہاد فی سبیل اللہ کے بلند ترین مقام یعنی قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔ جہاد ایک وسیع اصطلاح ہے۔ دین کے لئے جِدّوجُہد، محنت، کوشش اور دعوت و تبلیغ، سب جہاد ہی کی صورتیں ہیں۔ اسی طرح دین کی نشرواشاعت کے لئے محنت کرنا، لوگوں سے گفتگو کر کے انہیں ہم خیال بنانے کی ہر ممکن صورت کا اختیار کرنا، پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں انہیں منظم کرنا اور ان کی مناسب تربیت کا اہتمام کرنا، یہ تمام کام جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہیں، لیکن اس تصادم اور کشمکش کا آخری مرحلہ اور اس کا نقطۂ عروج ہے قتال فی سبیل اللہ! ـــــ یہاں اس کا ذکر کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ

---

[1] غالباً علامہ اقبال نے اپنے اس شعر کا اسلوبِ بیان اسی آیت مبارکہ سے اخذ کیا تھا کہ ؎

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



راستہ جا کدھر رہا ہے! جہاد فی سبیل اللہ کے جس راستے پر تم نے قدم دھرے ہیں اس کی آخری منزل کونسی ہے! چنانچہ فرمایا : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○ ﴾ قدم اس طرح سے جمے ہوئے ہوں اور صف بندی ایسی مضبوط ہو کہ جیسے کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو کہ نہ اسے اپنی جگہ سے ہٹایا جا سکے' نہ اس میں کہیں کوئی رخنہ پیدا کیا جا سکے۔

## اسلام میں "خیر اعلیٰ" کا تصور

اس آیت کا حوالہ ہمارے منتخب نصاب کے بالکل آغاز میں آیۂ بر کے ضمن میں آیا تھا کہ ہر نظامِ فکر کے نظریۂ اخلاق میں کسی نہ کسی خیر اعلیٰ (Summum Bonum) یا بالفاظ دیگر کسی Highest Virtue کا تصور موجود ہوتا ہے کہ سب سے اعلیٰ قدر کونسی ہے' نیکی کی بلند ترین منزل کون سی ہے۔ نوٹ کیجئے کہ آیۂ بر کے اختتام پر جو مضمون آیا تھا اسی کا اعادہ سورۃ الصف کی اس آیت میں ہوا ہے۔ وہاں نیکی کی بحث کا اختتام ان الفاظ پر ہوا تھا : ﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ﴾ اور صبر کرنے والے' ڈٹ جانے والے' برداشت اور تحمل کا مظاہرہ کرنے والے فقر و فاقہ میں' تکلیف و اذیت میں اور میدان جنگ میں ـــــ گویا اسلام کے نظامِ فکر اور اس کے نظریۂ اخلاق میں بلند ترین نیکی یا خیر اعلیٰ (Summum Bonum) کا جو تصور ہے وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان دے دینا ہے۔

بہرحال یہ پہلی چار آیات تمہید بن رہی ہیں اس مطالبۂ جہاد و قتال کی جو آگے آرہا ہے۔ اگلی آیات میں بعثتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے مقصد اور مشن کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کو عمل کی دعوت دی جاتی ہے' لہٰذا آغاز میں تمہید کے طور پر یہ انداز اختیار کیا گیا ہے کہ جان لو کہ صرف زبانی اقرارِ ایمان تمہیں اللہ کے ہاں اُن وعدوں کا مستحق نہیں بنائے گا جو اُس نے اپنے مؤمن بندوں سے کئے ہیں' بلکہ قولی اقرار کے ساتھ ساتھ عمل کی گواہی بھی ضروری ہے' اور اس عمل کی چوٹی ہے قتال فی سبیل اللہ' جو بندۂ مؤمن کی عملی جدوجہد کا نقطۂ عروج ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کی موت واقع ہوئی اس حال میں کہ اس کے دل میں شہادت کی تمنا نہ ہو' اس کی موت ایک نوع کے نفاق پر واقع ہوئی۔ یہ درحقیقت ایمان کا منطقی اور لازمی نتیجہ ہے۔ عین ممکن ہے کہ انسان کی ساری زندگی اللہ کی راہ میں مجاہدے اور جدوجہد میں گزرے' لیکن قتال کا مرحلہ نہ آئے۔ تاہم ایک بندۂ مؤمن کے سینے کو اس آرزو سے آباد رہنا چاہئے کہ کاش کہ وہ وقت آئے کہ اپنی جان کا ہدیہ اللہ کے حضور میں پیش کر کے وہ سرخرو ہو جائے' سبکدوش ہو جائے۔ سورۃ الاحزاب میں اہل ایمان کی شان میں یہ الفاظ آئے ہیں : ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ﴾ کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سے وہ ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے' راہِ حق میں گردنیں کٹوا کر سبکدوش ہو چکے اور باقی منتظر ہیں کہ کب ہماری باری آئے اور ہم بھی اس امتحان میں سرخرو ہو جائیں!

## یہود کا ذکر بطور نشانِ عبرت

اگلی چار آیات میں یہود کی تاریخ کے حوالے سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے —— اور یہ ان "مُسَبِّحَات" کے مشترک امور میں سے ہے کہ ان میں جابجا بنی اسرائیل کو بطور نشانِ عبرت پیش کیا گیا ہے —— کہ اے مسلمانو! قول و عمل کا تضاد اور ایمان کے عملی تقاضوں کی ادائیگی سے پہلو تہی' یہی وہ اصل جرم تھا کہ جس کی پاداش میں یہود اس مقام اور منصب سے معزول کر دیئے گئے جس پر آج تم فائز کئے گئے ہو۔ چار آیات میں یہود کی تاریخ کے تین ادوار کا ذکر ہے۔ فرمایا :

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

"اور یاد کرو جب کہا تھا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہ اے میری قوم کے لوگو! کیوں مجھے ایذا پہنچاتے ہو درانحالیکہ تم خوب جان چکے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف۔ پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی کج کر دیا' اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## قوم کے جہاد سے انکار پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیزاری

اس آیۂ مبارکہ پر پہلے تو اس اعتبار سے غور کیجیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کے ہاتھوں کس نوعیت کے دکھ سہنے پڑے ہوں گے! یقیناً کوئی نہ کوئی ذاتی اذیت بھی آپؑ کو پہنچائی گئی ہو گی، جیسے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن لوگوں کی زبان سے جو بظاہر کلمہ گو لیکن حقیقت کے اعتبار سے منافق تھے، انتہائی اذیت پہنچتی رہی، یہاں تک کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ کتنی کوفت اور کتنی ذہنی و قلبی اذیت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے سے پہنچی ہو گی۔ تو جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نوع کی کچھ اذیتیں بھی یہود کے ہاتھوں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو پہنچی ہوں تو یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے، لیکن "اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا" کے اصول کے تحت تلاش کیجیے کہ حضرت موسیٰؑ کو قوم کے ہاتھوں اصل اذیت کب پہنچی تھی تو آپ کو سورۃ المائدۃ میں اس کی تفصیل ملے گی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر کی غلامی کے پھندوں سے نجات دلا کر لائے اور صحرائے سینا میں پڑاؤ کیا جہاں انہیں "تورات" عطا کی گئی، تو بالآخر جہاد و قتال کا مرحلہ سامنے آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو حکم دیا کہ اب اس ارضِ مقدس یعنی فلسطین میں داخل ہو جاؤ، قتال فی سبیل اللہ کے لئے کمر ہمت کس لو تو قوم نے صاف جواب دے دیا: ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ کہ "اے موسیٰ جاؤ تم اور تمہارا رب، تم دونوں قتال کرو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں!" ہم اپنی گردنیں کٹوانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس پر رنج و صدمے کی جو کیفیت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوئی اس کا نقشہ قرآن مجید نے کھینچا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے حد درجہ مایوسی اور بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں: ﴿رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ﴾ "اے پروردگار! مجھے خود اپنی اور اپنے بھائی کی جان کے سوا کسی پر کوئی اختیار حاصل نہیں" ﴿فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ۝﴾ (المائدۃ: ۲۴-۲۶) "تو اے پروردگار! اب ہمارے اور فاسقوں کی اس قوم کے درمیان تفریق کر دے" (میں ان کے ساتھ مزید رہنے کے لئے تیار نہیں) —— یہ گویا وہ سب سے بڑی اذیت تھی جو اپنی امت کے ہاتھوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھیلنی پڑی۔

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com